آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدینؓ کے دور میں مکالمے کی روایت اور اس کا ارتقاء

پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف
شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT

The concept of dialogue between different religions, nations, sects and tribes was well known in the Arabia as well as outside the Arabia, before Islam. Some research scholars say that this kind of the conversation was initiated by Socrate and Plato, but it is not true. The kind of conversation started by Socrate and Plato, was a literary form, not conversation it self.

There are some difference between, Munazira, and Dialogue. The Holy Quran prevents from Mujadila and supports Mujadila Ahsan i.e. dialogue.

The Holy Prophet of Islam Hazrat Muhammad (P.B.U.H) has utilized this kind of conversation to solve mutual problems of the new created Muslim society and to develop mutual understanding and harmony between different schools of thought and to seek co-operation of the other tribes/nations. The same situation remained during the period of Khulifai Rashidien (11-40 AH/622-665AD). The article comprises upon some details of the Dialogue during the region of Hazrat Muhammad (P.B.U.H) and his successors/Khulafa.

مکالمے (Dialogue) یا باہمی مذاکرے کی روایت یوں تو بہت قدیم ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ جب سے حضرت انسان اس دنیا میں آیا اس وقت سے باہمی مکالمے کی یہ روایت موجود ہے۔ تاہم جوں جوں حضرت انسان کی عقل وشعور میں پختگی آتی رہی، تو اس کے ساتھ ساتھ ''مکالمے یا مذاکرے'' کی انسانی اوصاف میں بھی اضافہ ہوتا رہا(۱)۔

اس سے قبل کہ مکالمے یا مذاکرے کی عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کی روایت کا ذکر کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکالمے یا مذاکرے کی قدیم تاریخ کا بھی مختصر سا جائزہ لے لیا جائے۔

مکالمے (Dialogue) کی روایت کے ارتقا کو افلاطون (Plato/B.c428-347) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے(۲) جو قدیم کتب میں مکالمے کی فارم (شکل وصورت) سے متاثر ہوا اور اس نے ایک مستقل کتاب بعنوان Dialogue تصنیف کی جس میں اُس نے فلسفیانہ مسائل کو بیان کرنے کے لیے مکالمے کا انداز اختیار کیا تاہم یہ انداز بھی افلاطون سے قبل سقراط (Socrates) کے ہاں موجود تھا اور افلاطون نے یہ تصور اسی سے لیا۔

محققین کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ سقراط یا افلاطون نے ٹھوس علمی اور فکری مسائل کو بیان کرنے کے لیے مکالمے کا انداز اختیار کیا(۳)، جبکہ تاریخ عالم میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ مختلف مسائل کو حل کرنے کے لیے مکالمے یا مذاکرے کی روایت کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا؟

تاہم قرآن کریم میں بیان شدہ حضرت ہابیل اور قابیل کے واقعے سے یہ تأثر ملتا ہے کہ اس روایت کا آغاز اس کائنات میں حضرت آدم کی تخلیق کے ساتھ ہی ہو گیا تھا(۴) اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ روایت ارتقا پذیر رہی۔

اسلام سے قبل عربوں میں بھی یہ روایت اچھی ترقی یافتہ شکل میں موجود تھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد جناب ہاشم بن عبد مناف نے گفتگو یا مکالمے کے ذریعے قریش مکہ کے لیے گرمی اور سردی کے سفروں کی اجازت شاہان شام وعراق سے حاصل کی تھی (۵) جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے دنوں میں کمزوروں کی مدد کے معاہدہ ''حلف الفضول'' کا احیا بھی اسی روایت کی موجودگی کا اظہار ہے (۵۔الف)، اسی طرح قریش مکہ میں موجود عہدوں میں سے ایک عہدہ سفارت کا بھی تھا، جو ولادت نبوی کے وقت بنو مخزوم میں تھا اور حضرت عمر فاروقؓ برسوں سے اس عہدے پر متعین تھے اس عہدے کے حامل فرد کی ذمہ داری دوسری اقوام سے گفت وشنید، یا مذاکرہ ہی تھا اور حضرت عمر فاروقؓ

اپنی یہ ذمہ داری احسن طریقے پر انجام دیتے تھے(۶)۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں ''دارالندوہ'' کی موجودگی سے بھی باہمی مکالمے یا مذاکرے کی روایت کا پتہ چلتا ہے۔

پھر وقت کے ساتھ ساتھ مکالمے کے پہلو بہ پہلو مناظرے یا مجادلے کی روایت بھی پروان چڑھتی رہی (۷)۔ اور قرآن کریم میں مباحثے کی اجازت اور مجادلے سے ممانعت (۸) سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دونوں روایات موجود تھیں۔

تاہم قدیم عربی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی جنگ شروع ہوجاتی تو اس کو روکنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ کوئی ایک فریق مکمل طور پر تباہ ہوجاتا اور ایسا بھی ہوتا کہ جنگ کے بعد جب ایک فریق ہار جاتا، تو وہ اس کا بدلہ اپنے بچوں کے جوان ہونے تک ملتوی کردیتے اور جب نئی نسل جوان ہوتی، تو وہ بھی جنگ کے اُسی ''جہنم'' میں کود جاتی، جس میں اس کے بزرگوں نے کود کر خودکشی کی تھی (۹)۔

اس لیے جب اسلام آیا، تو عرب کے بہت سے قبیلے ان لڑائیوں سے تھک چکے تھے اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتے تھے، جس کے ذریعے ان جنگوں سے باعزت طور پر اپنا دامن چھڑا سکیں۔ اس ضمن میں یثرب میں آباد قبائل اوس اور خزرج کا خصوصی طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ ڈائیلاگ یا مکالمے کے بنیادی اصول وضوابط:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکالمے کی ''روایت'' کو انسانی فلاح و بہبود اور اس کی بہتری کے لیے استعمال کیا اور اس کے اصول ومبادی اور اس کے مقاصد کا تعین بھی فرمایا۔ اس ضمن میں آئندہ زیر بحث آنے والے مسائل کو سمجھنے کے لیے چند بنیادی باتوں کا فہم ضروری ہے، جو درج ذیل ہیں:

ا۔ مکالمے یا ڈائیلاگ کی وسعت:

اسلام نے مکالمے یا ڈائیلاگ کو پوری دنیا اور اس میں موجود تمام طبقات انسانی، تمام مذاہب اور اس کے حاملین اور تمام قوموں اور ان کے نمائندوں تک وسیع فرمایا ہے(۱۰)۔ اس لیے اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ کہنا درست اور صحیح نہیں کہ یہ مکالمہ یا ڈائیلاگ فلاں فریق، نسل یا مذہب سے ہوسکتا ہے اور فلاں فلاں گروہ، مذہب یا نسل سے نہیں ہوسکتا۔

۲۔ بامقصد مکالمہ/Dialague :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں سے گفت وشنید اور ان سے مذاکرات کے لیے اس بات کو لازمی قرار دیا ہے کہ یہ مذاکرات یا مکالمہ بامقصد ہونا چاہیے اور محض مکالمہ برائے مکالمہ یا بحث برائے بحث نہیں ہونی چاہیے (۱۱)۔

۳۔ مشترکات کی تلاش:

مکالمے اور مذاکرے کو بامقصد اور ثمرآور بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ گفتگو شروع کرنے سے قبل ان بنیادی باتوں یا ان ''مشترکات'' کو تلاش کرلیا جائے جن پر مکالمے یا ''مذاکرے'' کی بنیاد رکھی جاسکتی ہو جیسا کہ قرآن حکیم میں اہل کتاب کو مکالہ کی دعوت دیتے ہوئے ''توحید اور عدم شرک'' کے اصول کو بطور ''اساس کار'' اپنانے کی ہدایت کی گئی ہے (۱۲)۔

۴۔ مدلل اور علمی گفتگو:

اسلام نے ''مجادلے'' کو بھی ''مجادلۂ احسن'' بنانے کی ہدایت کی ہے (۱۳)، جبکہ ''مکالمے یا مذاکرے'' کے متعلق تو مکمل طور پر ''دلیل اور علمی اصولوں'' کی بنیاد پر ہی آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس ضمن میں ''نجرانی وفد'' سے جو مکالمہ ہوا اُسے سامنے رکھا جاسکتا ہے (۱۴)۔

۵۔ نتائج وثمرات:

اسلام نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ باہمی مکالمات/ مذاکرات کا اختتام نتائج وثمرات پر ہونا چاہیے۔ خواہ وہ تحریری صورت میں ہو، یا غیر تحریری صورت میں میثاق مدینہ کے موقع پر جو مذاکراہ یا مکالمہ ہوا، اس کے نتائج وثمرات کو تحریری صورت میں مدّون کیا گیا، لیکن عہد نبوی میں مختلف قبائل اور وفود کے ساتھ جو مکالمات ہوئے، ان کے نتائج (معاہدے) بیش تر غیر تحریری صورت میں مرتب ہوئے اسلام نے ان دونوں صورتوں کو اختیار کیا ہے۔

اس طرح عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کا مطالعہ ہمیں مذاکرات ومکالمات کے ایک ایسے سلسلے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو زندہ اور باشعور قوموں اور ریاستوں کا ہمیشہ دستور رہا ہے اور اس بابرکت دور میں ان اصولوں کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا ہے۔

عہد نبوی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(الف) مکی دور (ب) مدنی دور

ان دونوں ادوار میں مکالمات کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) مکی دور:

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے مہتم بالشان مقصد اور مشن لیکر تشریف لائے تھے اور یہ مقصد یا مشن محض کسی ایک قبیلے، قوم، ملک اور علاقے کی حکومت و سیادت قائم کرنے تک محدود نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد بلاتمیز رنگ و نسل، ملت و قوم اور زمانہ پوری انسانیت کی بھلائی اور اس کی فلاح و بہبود کا تھا، جسے قرآن کریم میں یوں پیش کیا گیا ہے:

> اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(۱۵)

> ”وہ لوگ جو (محمد) رسول اللہ کی جو نبی امی ہیں، پیروی کرتے ہیں، جن کے اوصاف کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں، اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان کے سر اور گلے میں تھے، اُتارتے ہیں۔“

پھر مقصد جتنا بڑا اور مشن جتنا عظیم ہو، اس کے مطابق مکالمے اور مذاکرے کی اہمیت بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے، اسی لیے پوری انسانی تاریخ میں مکالمے اور مذاکرے کا جتنا استعمال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ملتا ہے، اتنا استعمال کسی بھی دوسرے شخص یا فرد کی زندگی میں نہیں ملتا۔

مزید برآں ایک کامیاب سیاسی قائد اور حاکمِ اعلیٰ کی ایک خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ مکالمے

یا مذاکرے کی ٹیبل پر وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے، جو اُس نے جنگ کے میدان میں بھی حاصل نہیں کیا ہوتا، اور ناکام حکمران جیتی ہوئی جنگ کو مذاکرات کی میز پر ہار دیا کرتے ہیں۔

لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو اعلیٰ ترین اوصاف وکمالات عطا فرمائے، یہ انہی کا نتیجہ تھا کہ آپؐ نے کامیاب مکالمات اور مذاکرات کے ذریعے وہ کچھ حاصل کیا جو کسی اور شخص نے جنگوں سے بھی حاصل نہ کیا تھا۔ اس اعتبار سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کامیاب مذاکرات / مکالمات کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ نے انہیں ایک جنگی اور دفاعی حکمت عملی کے طور پر اور امن و امان کے قیام کے لیے اختیار فرمایا اور اپنی علمی اور مدلل گفتگو سے تاریخ کا رخ پھیر دیا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات/ مذاکرات کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ نے مکالمات کے لیے جو جز وقتی یا دوررس اہداف متعین فرمائے ان کے حصول میں آپ نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) مکی دور میں مذاکرات کے اہداف:

مکی دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلے اور دوسرے قبائل سے جو مکالمات یا مذاکرات فرمائے، ان کا دوررس مقصد تو یہ تھا کہ دنیا میں اسلام کی اشاعت ہو، اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو ہدایت کی روشنی میسر آجائے اور دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔

تاہم جز وقتی مقاصد کے اعتبار سے مکی دور کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا/ الف) نبوی سے عام الحزن (حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کی وفات) تک کے اہداف:

اوّلین عہد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصل مقصد اور ہدف یہ تھا کہ بنو ہاشم اور دوسرے قریشی قبائل اسلام قبول کرلیں اور یوں مکہ مکرمہ "مرکز اسلام" بن جائے اس دور میں جو بھی مذاکرات/ مکالمات کے واقعات پیش آئے ان کا مقصد اور بنیادی ہدف یہی تھا۔ اس دور میں مکالمے یا مذاکرے کے درج ذیل واقعات پیش آئے۔

ا۔ بنو ہاشم کے ساتھ مذاکرہ:

بنو ہاشم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا خاندان تھا، آپ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے

آپ کا یہ خاندان جناب عبدالمطلب کی وفات (۸۔عمری) تک مکہ مکرمہ کی سیادت وقیادت کے منصب پر فائز رہا آپ کے دادا جناب ہاشم بن عبد مناف نے قریش مکہ کے لیے ''سردی اور گرمی'' کے دو سفر شروع کیے اور قحط کے زمانے میں لوگوں کو کھانا کھلانے اور حجاج کرام کی دعوت وضیافت کرنے کی رسم کی ابتدا کی (۱۶)۔

اس طرح یہ بڑی وجاہت اور بڑے اثر ورسوخ رکھنے والا خاندان تھا، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاندان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

انہی حالات کے پیش نظر آپ نے تبلیغ اور دعوت کی ابتدا اپنے گھر اور اپنے خاندان سے کی اور جب کئی مقدس ہستیوں نے اسلام قبول کرلیا تو آپؐ نے تمام ''بنو ہاشم'' کو دعوت دینے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے جب حضرت علیؓ کو قبیلہ بنو ہاشم کے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ کھانے میں چالیس افراد شریک ہوئے اور کھانا مختصر ہونے کے باوجود سب نے شکم سیر ہوکر کھایا۔ پہلے دو دن ابولہب کی بدزبانی کی بنا پر گفتگو کی نوبت نہ آئی اور لوگ بغیر کچھ کہے اور سنے منتشر ہوگئے۔

مگر تیسرے روز آپ کو موقع مل گیا اور آپ نے انہیں قبول اسلام کی دعوت دی اور اپنی گفتگو کا قرآن کریم میں دیے گئے اصولوں کے مطابق مشترکات سے شروع کی۔ آپ نے مذاکرات کی ابتدا ان الفاظ میں کی: ''اے عبدالمطلب کی اولاد! مجھے تمہاری طرف خاص طور پر اور باقی لوگوں کی طرف عام طور پر بھیجا گیا ہے، اور تم نے میری طرف سے ایک نشان دیکھ لیا ہے (مختصر سے کھانے سے چالیس افراد کی شکم سیری کا)، اللہ کی قسم مجھے کسی ایسے نوجوان کا علم نہیں، جو اپنی قوم کے پاس اس سے افضل پیغام لیکر آیا ہو، جو میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی کی صورت میں لایا ہوں۔

اب بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟ کون میرے ہاتھ پر بیعت کرے گا، جو ایسا کرے گا وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہوگا اور اس کے لیے یہ یہ ہوگا۔

مگر جواب میں خاموشی رہی، صرف ایک نو یا دس سال کا لڑکا اٹھا آپؐ نے اسے بٹھا دیا، دوبارہ آپؐ نے اپنی بات دوہرائی مجمع سے پھر وہی ایک آواز بلند ہوئی، آپ نے اس بچے کو پھر بٹھا دیا اور اپنی بات تیسری مرتبہ دہرائی، تیسری مرتبہ بھی یہ بچہ اٹھا اور اُس نے آپ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا اس پر آپؐ نے اپنا ہاتھ اس بچے کے ہاتھ پر مارا اور اُسے پکڑ لیا اور فرمایا تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے (۱۷)۔ یہ نو یا دس سالہ بچہ حضرت علیؓ تھے۔

اس طرح نتائج کے اعتبار سے یہ مکالمہ/ مذاکرہ گو بہت کامیاب نہیں رہا، لیکن ناکام بھی نہیں ہوا، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدلل اور علمی گفتگو کے نتیجے میں خاندان کے متعدد افراد نے بالآخر اسلام قبول کرلیا اور جن میں حضرت علیؓ نے فوراً امداد واعانت پر کمربستگی کا اعلان کیا، جبکہ حضرت حمزہؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الحارث اور حضرت عباسؓ اور ان کا پورا خاندان رفتہ رفتہ مسلمان ہوئے جبکہ خاندان کے سربراہ جناب ابوطالب کی طرف سے آپ کو مکمل حمایت اور سرپرستی حاصل رہی۔

۲۔قریش مکہ سے مکالمہ:

پھر جب آپ کو حکم ملا کہ آپ اپنی نبوت کا اعلان عام کردیں، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہوکر تمام قبائل کو طلب کیا جو آسکا وہ آگیا اور جو نہیں آسکا، اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ یہ موقع بھی قریش مکہ کے ساتھ عمومی مکالمے یا عمومی مذاکرے کا تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی سوال وجواب کے بعد، فرمایا:

> ان الرائد لایکذب اهلة لو کذبتُ الناس جمیعاً ماکذبتکم لوغررت الناس جمیعاً ماغررتکم واللہ الذی لا اِلہ الا ھو، انی رسول اللہ الیکم خاصة والی الناس کافة واللہ لتموتن کما تنامون ولیتقظّن کما تستیقظون ولتحاسبّن بماتعملون ولتجزون بالاحسان احساناً وبالسوء سوءً وانما الجنة ابداً والنار ابداً(۱۸)

> کوئی بھی خبر لانے والا (قاصد) اپنے گھر والوں سے جھوٹ نہیں بولتا اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں، تب بھی میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا، اور اگر میں تمام لوگوں سے دھوکہ کروں تو تب بھی تم سے کوئی دھوکہ نہیں کروں گا، اللہ کی قسم، جس کے سوا، کوئی معبود نہیں، میں تم لوگوں کی طرف خاص طور پر اور تمام انسانوں کی طرف عام طور پر رسول مبعوث ہوا ہوں۔ بخدا تم جس طرح سوتے ہو، اسی طرح تم مروگے اور تم جس طرح جاگتے ہو اسی طرح تم دوبارہ اٹھوگے اور تم جو کچھ کرتے ہو، اس پر تمہارا محاسبہ ہوگا، اور تمہیں نیکی کا بدلہ نیکی

سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا اور بے شک جنت ابدی ہے اور
دوزخ (بھی) ابدی ہے۔

اس کے جواب میں قریش کے اکثر قبائل کے نمائندے خاموش رہے، البتہ ابولہب نے بد تمیزی سے جواب دیا، جس پر اسے قرآن میں ہدف تنقید بنایا گیا۔

۳۔ ولید بن عتبہ سے مذاکرہ:

اسی طرح کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب ولید بن عتبہ نے بیت اللہ شریف کے سامنے قریش مکہ سے اجازت لیکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور قریش میں آپؐ کے حسب ونسب اور مرتبے کا ذکر کرکے کہا: اے محمد آپ نے اس دعوت کے ذریعے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔

"آپ اگر اس کے ذریعے مال جمع کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کردیں گے کہ پورے مکہ میں آپؐ سے زیادہ مال دار اور کوئی نہیں ہوگا۔ اگر آپ اس دعوت کے ذریعے سرداری کا حصول چاہتے ہیں، تو ہم سب آپ کو اپنا سردار بنالیں گے، اگر آپ خوبرو عورتوں سے شادی کرنا چاہتے ہیں، تو ہم آپ کے نکاح میں حسین عورتوں کو جمع کردیں گے اور اگر آپ پر کسی آسیب یا جن کا سایہ ہے تو ہم عرب کے اچھے سے اچھے کاہن کو بلائیں گے، جو آپ کا علاج کریں گے، آپ نے اس کی یہ بات سن کو پوچھا اے ابوالولید تم نے اپنی بات پوری کرلی، اس نے کہا ہاں، اس پر آپ نے سورۂ حم السجدہ کی آیت سجدہ تک تلاوت فرمائی، پھر جب آپؐ نے سجدہ کرلیا، تو فرمایا: اے ابوالولید تمہارا جواب یہی ہے (۱۹)۔ اس سے ولید اتنا متاثر ہوا کہ اس نے قریش مکہ کو غیر جانب دار ہونے کا مشورہ دیا، مگر قریش نے اس کی یہ بات تسلیم نہ کی۔

۴۔ سرداران قریش سے مکالمہ:

اسی طرح ایک اور موقع پر روسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، النضر بن الحارث (بن کلدہ) از بنی عبدالدار، ابوالبختری بن ہشام، اسود بن المطلب بن کندہ، زمعہ بن الاسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن امیہ، عاص بن وائل، نبیہ بن الحجاج اور منبہ بن الحجاج السہمی اور امیہ بن خلف غروب آفتاب کے وقت صحن کعبہ میں اکٹھے ہوئے، پھر انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا بھیجا اور کہا کہ آپ کی قوم کے معززین جمع ہیں اور آپ سے بات چیت کرنا

چاہتے ہیں۔ آپ اس خیال سے کہ شاید وہ قبول اسلام کے لیے آمادہ ہوگئے ہیں اور اس بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں، جلدی جلدی تشریف لائے، جب آپ آکر بیٹھے تو کفار مکہ نے وہی باتیں دہرائیں جو عتبہ پہلے ہی آپ سے کر چکا تھا آپ نے فرمایا: میں نہ تو مال جمع کرنے آیا ہوں نہ ہی مجھے کوئی عہدہ مطلوب ہے، نہ ہی کوئی ریاست میرا مقصود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لیے اس کا بشیر اور نذیر بنوں اس پر قریش مکہ بولے کہ اگر آپ کو یہ سب باتیں منظور نہیں ہیں، تو پھر دیکھو کہ ہمارا علاقہ کس طرح کا بنجر علاقہ ہے۔ آپ اس علاقے کو سرسبز وشاداب خطے میں بدل دیں اور اس علاقے میں نہریں جاری کر دیں اور ہمارے مُردوں خاص طور پر قصی بن کلاب کو زندہ کر دیں، اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کی تو ہم بھی آپ کی تصدیق کریں گے، آپ نے فرمایا: یہ سب کام اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر آپ یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو پھر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ وہ آپ کے ہمراہ کسی فرشتے کو بھیج دے جو آپ کی تصدیق کرے اور آپ کو باغات، محلات اور سونے اور چاندی کے خزانے دیئے جائیں، آپؐ نے مکرر یہ جواب دیا کہ میں یہ نہیں کر سکتا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا پھر اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرادے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کام بھی اللہ کا ہے۔ وہ چاہے گا تو ایسا کر دے گا، نہیں چاہے گا تو نہیں کرے گا۔ اس پر انہوں نے کہا اگر یہ سب آپ نہیں کر سکتے، تو پھر یہ ثابت ہو گیا کہ آپؐ جس رحمان کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، وہ یمامہ کا سردار ہے اور خداے رحمان نہیں ہے اور ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے (۲۰)۔

نتائج:

اس طرح ان چاروں مذاکرات سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ ''قریش مکہ'' آپ کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے، لیکن مذاکرات کی میز پر آپؐ نے انہیں مات دی۔

(۲/الف) عام الحزن سے ۱۳ن/ا ق ھ تک:

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حیات طیبہ کا دوسرا دور عام الحزن یعنی جناب ابوطالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات (۱۰ نبوی) سے شروع ہوتا ہے اس وقت تک دو باتیں واضح طور پر سامنے آگئی تھیں۔

ا۔ یہ کہ قریش مکہ اسلام قبول نہیں کریں گے۔

۲۔ خاندان بنی ہاشم اپنے نئے سردار ابولہب کی قیادت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے مدافعت نہیں کرے گا۔

اسی لیے اس دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیاں درج ذیل اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے جاری رہیں:

(۱) اسلام کی دعوت وتبلیغ کو عام کرنا۔

(۲) اسلام کے لیے کسی نئے مرکز کی تلاش کرنا

ان مقاصد کے حصول کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل قبائل سے مذاکرات کیے:

ا۔ اہل طائف سے مکالمہ:

طائف ایک پرفضا مقام ہے، جہاں قدیم زمانے سے عرب کا ایک طاقت ور قبیلہ ''بنوثقیف'' آباد تھا یہ قبیلہ اپنی وجاہت وسیادت میں قریش مکہ سے ہم سری کا دعویدار تھا اسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نئے مرحلے کے آغاز میں اس قبیلے سے گفت وشنید کا فیصلہ فرمایا اور آپ اپنے خادم خاص حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ہمراہ اس مشکل اور کٹھن سفر پر روانہ ہوئے۔ ان دنوں یہاں عمرو بن عمیر کے تین بیٹے عبد یالیل، مسعود اور حبیب سیادت کے منصب پر فائز تھے۔ انہوں نے مذاکرات اور مکالمے کے لیے ''سردار عرب وعجم'' کی یہاں کٹھن سفر کے بعد آمد کو پسند نہیں کیا غالبًا انہیں قریش مکہ کی ناراضگی کا اندیشہ تھا اور وہ خود کو ان سے لڑنے کے اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اس موقع پر ان کے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین جو مکالمہ ہوا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب جا کر تشریف فرما ہوئے، انہیں سلام کیا اور اپنے مخالفین کے خلاف مدد اور آپ کا ساتھ دینے کی دعوت دی۔

ان میں سے ایک بولا: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، تو وہ کعبہ کے پردے کو چاک کر دے گا۔

دوسرا بولا: کیا اللہ تعالیٰ کو تمہارے سوا کوئی اور رسول بنانے کے لیے نہیں ملا؟

تیسرے نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں آپؐ سے کبھی کلام نہیں کروں گا: اگر آپؐ اپنے

وعدے میں سچے ہیں، تو آپ کی بات کو رد کرنا میرے لیے بے حد خطرناک ہوگا، بصورت دیگر میرا آپ سے ہم کلام ہونا میرے رتبے کے خلاف ہے۔ اس پر آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: کہ تم نے جو کیا سو کیا: البتہ تم میرا معاملہ پوشیدہ رکھنا(۲۱)۔

اس طرح یہ مذاکرات بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض منصبی ادا کیا، تاہم آپ کے اس سفر نے آپ کو آئندہ ہونے والے غزوات، یعنی غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں بے حد فائدہ پہنچایا۔

واپسی کے سفر میں آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے سردار قریش مطعم بن عدی سے مذاکرات کرنا پڑے جس نے آپ کو پناہ دی اور جب آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو اس کے چھ بیٹے تلواریں بے نیام کیے آپ کا پہرہ دے رہے تھے۔

۲۔ دوسرے قبائل عرب سے مذاکرات/ مکالمات:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال سے قطعاً مایوس نہ ہوئے اور آپ نے اپنے مقاصد واہداف کے حصول کے لیے سرگرمی جاری رکھی اور اس دوران میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مختلف قبائل کے دورے کیے۔

حافظ ابن کثیر نے ان قبائل سے ہونے والے مذاکرات کے اس دور کو ایک مستقل فصل میں بیان کیا ہے، جس کا عنوان یوں ہے:

> فصل في عرض رسول الله صلى الله عليه وسلم نفسه الكريمة علىٰ احياء العرب في مواسم الحج، ان يؤووه وينصّروه ويمنعوه ممن كذبه و خالفه فلم يجبه أحد منهم (۲۲)
>
> نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو حج کے موسم میں مختلف قبائل عرب کے سامنے پیش کرنے کا بیان کہ وہ آپ کی تائید اور مدد کریں اور آپ کی آپ کے مخالفین اور دشمنوں سے حفاظت کریں، مگر کسی نے بھی اس کا مثبت جواب نہیں دیا۔

اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جن قبائل کے پاس گفتگو اور مکالمہ کے لیے تشریف لے گئے، ان میں بنو عامر، بنو غسان، بنو فزارہ، بنو مرہ، بنو حنیفہ، بنو سلیم، بنو عبس، ، بنو نضر بن ھوازن، بنو ثعلبہ

بن عکابہ، بنوکندہ وکلب، بنوالحارث بن کعب، بنوعذرہ اور قیس بن الحطیم وغیرہ شامل ہیں، ان میں سے بعض قبائل کے ساتھ بات چیت اور گفت وشنید کی تفصیلات بھی ملتی ہیں (۲۳)۔

ان میں کچھ قبائل نے آپ کی بات کو ٹال دیا، کچھ قبائل نے تلخ اور صاف جواب دے دیا (۲۴)۔

۳۔اوسی وفد سے مذاکرہ/ مکالمہ:

اس موقع پر جو سب سے عمدہ اور سب سے بہتر مکالمہ ہوا وہ یثربی وفد کے ساتھ تھا یہ ۱۰ نبوی موسم حج کا واقعہ ہے، اس سال موسم حج میں بنواوس کا ایک وفد ابوالحسیر انس بن رافع کی قیادت میں مکہ مکرمہ آیا اس کا مقصد حج کے ساتھ ساتھ یہ بھی تھا کہ وہ ''قریش مکہ'' سے اپنے مخالف قبیلے بنوخزرج کے خلاف معاہدہ کریں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق سنا تو آپ ان کے پاس تشریف لائے، اور ان کے پاس آکر بیٹھ گئے پھر آپؐ کے اور ان کے درمیان جو مکالمہ ہوا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیا میں تمہیں اس کام سے جس کے لیے تم آئے بہتر بات نہ بتاؤں!

یثربی وفد: وہ کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور اُس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے، پھر آپؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن مجید کی آیات تلاوت کیں۔

ایاس بن معاذ (وفد کا رکن): لوگو! جس کام کے لیے تم آئے ہو، اللہ کی قسم یہ اس سے بہتر ہے۔

اس پر سردار وفد انس بن رافع نے مٹی کی ایک مٹھی لیکر ایاس بن معاذ کے چہرے پر پھینکی اور کہا: ''میری زندگی کی قسم ہم کسی اور کام کے لیے آئے ہیں۔''

اس پر ایاس خاموش ہوگیا اور یہ لوگ واپس مدینہ منورہ لوٹ گئے اور پھر اوس اور خزرج کے درمیان جنگ ہوئی اور ایاس بن معاذ سمیت دونوں طرف کے کئی لوگ مارے گئے۔

اس روایت کے راوی محمود بن لبید کہتے ہیں، کہ جو لوگ آخری وقت میں ایاس بن معاذ کے قریب تھے وہ بتاتے ہیں، کہ وہ وفات سے قبل اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، الحمدللہ اور سبحان اللہ کے کلمات پڑھتا رہا، تا آنکہ اس کا انتقال ہوگیا (۲۵)۔

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "قبائل یثرب" کے ساتھ مذاکرات میں پہلی کامیابی ملی اور ایک شخص مسلمان ہوگیا اور اس کے ذریعے اسلام کی آواز اس خطے میں پہنچ گئی۔

۴۔ قبیلہ خزرج کے ساتھ مکالمہ:

اگلے سال ۱۱-ن۔ بنوخزرج کا ایک وفد حج کے لیے آیا اور عقبہ (گھاٹی) کے مقام پر آکر اترا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول قبائل میں تبلیغ اور دعوت کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے، ان کے پاس پہنچے اس موقع پر جو مذاکرہ/ مکالمہ ہوا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تم لوگ کون ہو!

وفد: ہم بنوخزرج کے لوگ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیا یہودیوں کے ساتھ موالات (دوستی) رکھنے والے ہو؟

وفد: جی ہاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیا میں تمہارے پاس بیٹھ کر تم سے گفتگو کر سکتا ہوں؟

وفد: جی ہاں، ضرور

اس پر رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، قرآن مجید کی تلاوت کی (اوران سے حسب عادت اسلام کی خدمت واشاعت کے لیے مدد طلب کی)۔

یہ لوگ چونکہ یہودیوں کے ہمسائے تھے، جو اہل کتاب اور اہل علم تھے اور جب بھی ان کے اور یہودیوں کے مابین کوئی لڑائی ہوتی، تو وہ کہتے: جلد ہی ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، اور اس کا زمانہ بعثت قریب آگیا ہے، ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح قتل کریں گے، اسی لیے انہوں نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں، تو انہوں نے آپس میں کہا: "اللہ کی قسم یہ تو وہی نبی ہے، جس سے یہودی تمہیں ڈراتے ہیں، کہیں وہ تم سے سبقت نہ لے جائیں۔"

چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر، اسلام قبول کیا اور آپ کی

تصدیق کی انہوں نے پھر کہا: کہ ہماری قوم اور دوسری قوم کے مابین عداوت اور مخالفت پائی جاتی ہے، ہوسکتا ہے اللہ آپ کی برکت سے انہیں بھی اس پر جمع کردے، اگر ایسا ہوا تو دنیا میں آپ سے زیادہ معزز شخص کوئی نہیں ہوگا بعدازاں یہ لوگ حج کے بعد واپس چلے گئے (۲۶)۔

نامور سیرت نگار محمد بن اسحاق کے مطابق یہ وفد چھ افراد پر مشتمل تھا جبکہ موسیٰ بن عقبہ کے مطابق ان کی تعداد آٹھ افراد تھی۔

۵۔ عقبہ ثانیہ ۱۲ان/ اق ھ کے موقع پر متحدہ یثربی وفد سے مکالمہ

مذکورہ خزرجیوں کی محنت رنگ لائی اور آئندہ دس (۸ خزرجی اور ۲ اوسی) افراد پر مشتمل وفد مکہ مکرمہ آیا۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیعت النساء (۲۷) کی، جب یہ لوگ واپس جانے لگے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ہمراہ بھیج دیا، جن کی کوششیں بارآور ہوئیں اور آئندہ برس ۷۳ افراد پر مشتمل نیک دل یثربیوں کا قافلہ حج کرنے اور آپ سے ملنے کے لیے آیا اور بیعت کی، اسے عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

۶۔ عقبہ ثالثہ یا اوس اور خزرج کے مشترکہ وفد سے مذاکرہ (۱۳ان/ ا ھ)

مکہ مکرمہ کی اسلامی تاریخ کا یہ سب سے اہم اور سب سے بڑا مذاکرہ تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یثربی قبائل کے مابین پیش آیا اس موقع پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفد سے ملنے آئے تو خلاف معمول آپ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی آپ کے ہمراہ تھے اس موقع پر دونوں وفود کے مابین جو مذاکرہ ہوا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

سب سے پہلے، حضرت عباس نے گفتگو کی انہوں نے کہا:

عباس بن عبدالمطلب: اے گروہ خزرج: (عرب کے لوگ انصار کے اس قبیلے کو خزرج، اس کے طاقت ور اور مضبوط ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں) تمہیں علم ہے کہ ہمارے ہاں محمد کا کیا مقام و مرتبہ ہے، اور ہم نے ان کی اپنی قوم سے اس طریقے سے حفاظت کی ہے، جو طریقہ ہم نے پسند کیا، لہٰذا آپؐ اپنی قوم میں عزت کے ساتھ اور اپنے شہر میں پوری حفاظت میں ہیں، اور اب انہوں نے تمہاری طرف جانے اور تمہارے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان سے جو وعدہ کررہے ہو، تم اُسے پورا کرو گے اور تم آپؐ کی آپ کے مخالفین سے حفاظت کرسکو گے تو تم جانو اور تمہاری ذمہ داری اور اگر تم

یہ سمجھتے ہو، کہ تمہارے پاس آنے کے بعد تم آپ کو دشمن کے سپرد کر دو گے اور آپ کو ذلیل کرو گے، تو تم ابھی آپ کو چھوڑ دو، اس لیے کہ آپؐ اپنی قوم میں عزت اور حفاظت کے ساتھ ہیں۔

وفد کے لوگ: جو آپ نے کہا، وہ ہم نے سن لیا لہٰذا اے اللہ کے رسول اب آپ فرمایئے اور اپنے رب کے لیے جو بھی ذمہ داریاں ہیں انہیں بیان کیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تم میری بیعت کرو۔

وفد: اور اے اللہ کے رسول ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تم میری بات (دھیان) سے سننے، اسے خوشی اور سستی کی دونوں حالتوں میں ماننے، تنگی اور آسائش میں خرچ کرنے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق بات کہنے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے پر بیعت کرو اور یہ کہ جب میں تمہارے پاس آجاؤں تم تم میری مدد اور میری حفاظت کرو گے، جیسے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنی اولادوں کی حفاظت کرتے ہو اور (اس کے بدلے میں) تمہارے لیے جنت ہے۔

اس پر سب لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ بعد ازاں اسعد بن زرارہ اٹھے اور انہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا:

اسعد بن زرارہ: اے اہل یثرب ذرا ٹھہرو، ہم نے آپؐ کے پاس آنے کے لیے اونٹوں کے جگر نہیں دوڑائے مگر ہم یہ بات جانتے ہیں، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آج آپ کو گھر سے نکالنا (اور اپنے ہمراہ لیکر جانا) تمام عربوں کو بھڑکانا اور بہترین لوگوں کو قتل کرانا اور تمہیں تلواروں کا شکار بنانا ہے اگر تم اس پر قائم رہو گے، تو تم آپ کو لے جاؤ اور اگر تمہیں اپنی جانوں کی طرف سے، کسی بھی قسم کا اندیشہ ہے، تو تم آپ کو چھوڑ دو یہ بات تمہارے لیے اللہ کے ہاں زیادہ عذر کا باعث ہوگی (۲۸)۔

دوسرے لوگ: اے اسعد ہم سے، اس اندیشے کو دور رکھیے، اللہ کی قسم ہم اس بیعت کو کبھی نہ چھوڑیں گے اور نہ ہی اسے کبھی واپس لیں گے۔

اس پر یہ مکالمہ ختم ہو گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ لوٹ گئے، اور یہ وفد حج کے بعد واپس چلا گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت براءؓ نے بھی گفتگو کی اور جب حضرت براءؓ گفتگو کر رہے تھے، تو ابوالہیثم بن التیہان کھڑے ہو گئے

ابوالتیہان: اے اللہ کے رسول! بے شک ہمارے اور دوسرے لوگوں (یہودیوں) کے مابین معاہدے ہیں، جنہیں ہم توڑنے والے ہیں، کیا ایسا تو نہیں ہوگا، کہ اگر ہم ایسا کر گذریں اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کر دے تو آپ اپنی قوم کی طرف واپس تو لوٹ جائیں گے؟

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم: نہیں، بلکہ یہ رشتہ خون سے خون کا اور موت سے موت تک ہے میں تم میں سے اور تم مجھ سے ہو، تم جس سے لڑو گے، میں بھی لڑوں گا اور تم جس سے صلح کرو گے، میں بھی کروں گا۔

اب تم اپنے میں سے بارہ افراد کو مقرر کرو، جنہیں میں اپنی قوم پر نقیب (نگہبان، سردار) مقرر کروں، چنانچہ اس پر نو خوارج میں سے اور تین اوس میں سے افراد کے نام بتائے گئے، جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نقیب مقرر کر دیا (۲۹)۔

اس موقع پر کوئی معاہدہ تحریر نہیں کیا گیا اور جو کچھ مذاکرات سے طے ہوا وہ زبانی کلامی نوعیت کا تھا مگر لطف کی بات یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی اس معاہدے کو دہرانے یا یاد دلانے کی ضرورت پیش نہ آئی اور انصار مدینہ نے اپنے وعدوں سے بھی بڑھ کر حق جانثاری ادا کیا۔

نتائج:

مختصراً یہ کہ مکی عہد میں مختلف قبائل کے ساتھ مکالمے یا مذاکرے کے کئی واقعات پیش آئے، مگر ان میں سے درج ذیل نمایاں ہیں:

۱۔ عام الحزن تک:

اس عرصے میں چار واقعات پیش آئے، جن کے نتائج فوری طور پر تو سامنے نہ آئے، لیکن رفتہ رفتہ لوگوں پر اس کا اثر ہوا اور بہت سے نیک دل لوگ مسلمان ہو گئے۔

۲۔ عام الحزن سے ہجرت مدینہ منورہ تک

اس دور میں بھی چار واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں اسلام کو ایک مضبوط اور مستحکم مرکز مل گیا۔

اس طرح نتائج و ثمرات کے اعتبار سے اس دور میں ہونے والے مذاکرات/ مکالمات کو

نتائج وثمرات یا انجام کے اعتبار سے کامیاب قرار دیا جاسکتا ہے۔

(ب) مدنی دور

مرکز اسلام کی تلاش کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم پر مدینہ منورہ منتقل ہو گئے یہاں آکر پورا منظر نامہ (Senario) ہی تبدیل ہو گیا، اسی لیے اس دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاکرات و مکالمات کا جنگوں اور غزوات کے پہلو بہ پہلو انتہائی کامیابی اور بہترین حکمت علمی کے ساتھ استعمال فرمایا۔

اس دور کو بھی ہم آسانی کے ساتھ دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(ا/ب) جنگ خندق (۱۵ شوال المکرم ۵ھ/ ۶۲۷) تک کا دور:

اس دور میں نوزائیدہ ریاست مدینہ منورہ کے سامنے درج ذیل اہداف تھے:

۱۔ مدینہ منورہ کا داخلی امن واستحکام

۲۔ مدینہ منورہ کا بیرونی تحفظ اور دشمنوں سے دفاع۔

۳۔ اعلاے کلمۃ اللہ اور احکام اسلامی کا نفاذ

ان میں سے تیسرے مقصد کے لیے تو کسی بھی قسم کے مذاکرات یا مکالمات کی ضرورت نہ تھی اور مسلمانوں سے لی گئی بیعت ہی کافی تھی، البتہ اولین دونوں مقاصد کو سامنے رکھ اس دور میں درج ذیل مذاکرات اور مکالمات اور ان کے نتیجے میں درج ذیل معاہدات تشکیل پذیر ہوے:

(ا) میثاق مدینہ:

اس معاہدے میں درج ذیل فریق شریک تھے:

(الف) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت حاکم اعلیٰ ریاست مدینہ

(ب) مہاجرین مکہ ساکنان مدینہ منورہ

(ج) انصار مدینہ (اوس اور خزرج)

(د) مدینہ منورہ کے یہودی (بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ)

(ھ) مدینہ منورہ کے کافر اور مشرک قبائل

(و) مدینہ منورہ کے عیسائی (۳۰)

اس موقع پر ۴۷ دفعات پر مشتمل معاہدہ حضرت انس بن مالک کے گھر میں لکھا گیا (۳۱)۔

اس معاہدے کی ترتیب سے قبل یقیناً ان مختلف قبائل اور اقوام میں گفت وشنید اور مذاکرات کے کئی ادوار ہوئے ہوں گے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام قبائل یا اہل مذاہب کو ایک ہی مسودۂ قانون پر جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے، یہ معاہدہ نہ صرف اس وقت کے لحاظ سے، مفید ثابت ہوا، بلکہ اس نے مستقبل میں یہودیوں کی طرف سے نقض امن اور بدعہدی کے موقع پر بھی بے حد فائدہ دیا اور یہ معاہدہ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دنیا کا پہلی تحریری آئین قرار پایا۔

(۲/ب) دیگر قبائل سے مکالمات:

اس دور میں بڑے مکالمے کے علاوہ کئی اور قبائل سے بھی مکالمات اور ان کے نتیجے میں معاہدات ہوئے، ان میں سے ایک غزوہ وُدان یا غزوۃ الابواء کے موقع پر، بنوضمرہ سے صفر ۲ھ میں ہونے والا مکالمہ/ معاہدہ ہے، جو اس کے سردار مخشی بن عمرو الضمری سے (۳۲) اور دوسرا غزوہ ذات العشیرہ کے موقع پر بنومدلج سے، جمادی الاولی ۲ھ کے موقع پر ہوا (۳۳)۔

ان دونوں مواقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قبائل سے مذاکرات ہوئے اور آپ نے انہیں غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کرلیا۔

جو اس دور میں یہ ایک بڑی کامیابی تھی کہ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''قریش'' اس علاقے میں موجود اپنے حلیف قبائل سے مدد نہ لے سکے اور انہیں غزوہ بدر اور غزوہ احد میں تنہا ہی میدان میں اترنا پڑا.

۲۔ دوسرا دور: غزوۂ خندق تا فتح مکہ:

یہ دور تین/ ساڑھے تین برسوں پر محیط ہے، اس دور میں یوں تو کئی قبائل سے مکالمات اور معاہدات ہوئے، لیکن ان میں اہمیت کے اعتبار سے دو معاہدات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس دور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے اہم اور بڑا مقصد اور ہدف اسلام کی اشاعت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یعنی ''فتح مکہ'' کا حصول تھا، اس مقصد کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قریش مکہ سے اور پھر یہودیان خیبر سے بات چیت کی اور دونوں کے نتیجے میں ایک ایک معاہدہ طے پایا تفصیل درج ذیل ہے:

(ا) معاہدہ صلح حدیبیہ/صلح کی بات چیت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی

قریش مکہ کی پالیسی یہ تھی، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی کوئی بات چیت نہ کی جائے اور نہ ہی دوسرے قبائل کو آپ سے مذاکرات کرنے دیئے جائیں، اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وحی الٰہی'' کے زیر اثر اس دور میں ایک خصوصی حکمت عملی اختیار کی۔

اس موقع پر، چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کو ''مذاکرات'' لی میز پر لانا چاہتے تھے، اس لیے آپ نے حکمت عملی کے طور پر، اللہ تعالیٰ کے حکم پر اور الہامی خواب نظر آنے پر درج ذیل اقدامات کیے:

(الف) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کرام کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا۔

اس سے قریش مکہ پر دباؤ بڑھا اور وہ جارحیت سے دفاعی پوزیشن پر آگئے۔

(ج) مدینہ منورہ سے نکلنے کے بعد، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامانوس راستوں سے سفر کیا اور کوشش کی کہ آپ کا ان سے سامنا نہ ہونے پائے (۳۴) آپ یہ چاہتے تھے، کہ جب مسلمان ''حرم اقدس'' کے دروازے پر پہنچ جائیں تب آپ کی قریش مکہ سے گفتگو ہو۔

اس کا مقصد بھی یہی تھا، تاکہ قریش مکہ مجبور ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت وشنید اور مکالمے کا آغاز کریں۔

(د) باوجود اس بات کے، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ''حرم مکہ'' کے صحن تک پہنچ گئے تھے، لیکن آپؐ کی طرف سے، یہ اصرار نہ تھا کہ آپ لازمی طور پر عمرہ کر کے جائیں گے، بلکہ آپ بار بار یہ اظہار فرمارہے تھے، کہ

"لاتدعو نی قریش الیوم الی خطة یسألونی فیها صلة الرحم الا أُعطیتها ایاها"

آج قریش مکہ مجھے جس خاکے/ معاہدے کی طرف بھی بلائیں گے جس میں وہ صلہ رحمی کرنا چاہتے ہوں گے تو میں ضرور ان کی بات مانوں گا۔

(ھ) دونوں طرف سے وفود کا تبادلہ:

اس موقع پر، دونوں طرف سے کئی وفود کا تبادلہ ہوا شروع شروع میں قریش مکہ نے محض ڈرانے دھمکانے اور ''میں نہ مانوں'' کا طریقہ اختیار کیا مگر بعد ازاں وہ معاہدہ کرنے پر تیار ہو گئے۔

سب سے پہلے بدیل بن ورقاء الخزاعی بنوخزاعہ کے لوگوں کے ہمراہ آیا اس کے بعد بشر بن سفیان اور پھر مکرز بن حفص بن الاخیف آیا ان دونوں وفود سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ہوئی، آپ نے انہیں بتایا کہ آپ تو محض عمرہ کرنے اور بیت اللہ کی زیارت کرنے کے لیے آئے ہیں، جس پر یہ لوگ مطمئن ہو کر چلے گئے اور انہوں نے قریش مکہ پر جا کر دباؤ بڑھایا(۳۵)۔

بعد ازاں قریش مکہ نے الحلیس بن علقمہ یا الحلیس بن زبان کو جو سید الاحابیش تھا، بھیجا، وہ عرب کے مخلص لوگوں میں سے تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُسے آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اسے لشکر کے ہمراہ لائے گئے قربانی کے جانور دکھا دو وہ یہ جانور دیکھ کر گفتگو کیے بغیر واپس لوٹ گیا اور قریش مکہ کو سخت الفاظ میں مخاطب کیا اور کہا:

اے گروہ قریش: اللہ کی قسم ہم نے اس بات پر تم سے حلف اور معاہدہ نہیں کیا، کہ تم اللہ کے گھر کی تعظیم و تکریم کے لیے آنے والے شخص کو روکو گے؟ مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں الحلیس کی جان ہے، تم محمد کو یا تو اپنا مقصد پورا کرنے دو گے: یا پھر میں احابیش کے لوگوں کو تم پر ایک ہی شخص کی طرح (متحد ہو کر) حملہ کرنے کو کہوں گا۔

قریشی لوگوں نے کہا: ''ذرا انتظار کیجئے، تاکہ ہم اپنی مرضی کے مطابق تسلی حاصل کر لیں''(۳٦)۔

(و) عروہ بن مسعود ثقفی کا مکالمہ:

بعد ازاں عروہ بن مسعود ثقفی بارگاہِ رسالت میں آیا اس کے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین درج ذیل مکالمہ ہوا:

عروہ: اے محمد تم نے گرے پڑے لوگ جمع کر لیے ہیں، اور پھر تم انہیں لیکر اپنے ہی گھر والوں پر چڑھ آئے ہو، تاکہ تم انہیں توڑ سکو! دیکھو! یہ قریش کے لوگ ہیں، ان کے ہمراہ ان کے حلیف بھی ہیں، انہوں نے چیتوں کی کھالیں پہن لی ہیں۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں زبردستی داخل نہیں ہوسکیں گے، اور اللہ کی قسم (مجھے یوں نظر آتا ہے) کہ یہ لوگ کل آپ سے چھٹ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر (جو اس وقت رسول اللہ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، بولے): عروہ غلط اندازے مت لگاؤ اے لات کے پجاری، کیا ہم آپ کو چھوڑ کر ادھر اُدھر ہو جائیں گے؟

عروہ: اے محمد یہ کون ہے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم: یہ ابن ابی قحافہ ہے۔

عروہ: اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تیرا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں تیری بات کا جواب دیتا، لیکن میں اس بات کو اس (احسان) کے بدلے میں شمار کرتا ہوں۔

پھر عروہ گفتگو کے دوران عربوں کی عادت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کو چھونے لگا اس وقت حضرت مغیرہؓ بن شعبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑے تھے اور لوہا پہنے ہوئے تھے، تو جب بھی اس کا ہاتھ آپؐ کی داڑھی کو چھوتا، تو وہ اس کے ہاتھ کو پرے ہٹا دیتے، اور کہتے: اپنے ہاتھ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے دور رکھو اس سے قبل کہ وہ تمہارے پاس کبھی واپس نہ لوٹیں۔

عروہ: تیرا ناس ہو، تم کس قدر سخت اور شدید ہو۔

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے تو عروہ نے پوچھا: اے محمد یہ کون ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم: یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔

عروہ: اے دھوکے باز! ابھی تو میں نے تیری برائی کو کل ہی دھویا ہے (مغیرہ نے اسلام قبول کرنے سے قبل بنو مالک کے بارہ افراد قتل کر دیئے تھے اس پر عروہ نے مقتولین کے خاندانوں کو دیت ادا کر کے راضی کیا تھا یہاں اس نے اسی طرف اشارہ کیا ہے)۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آنے والے، اس کے ساتھیوں ہی کی طرح اسے بھی بتایا، کہ آپ یہاں عمرے کے ارادے سے آئے ہیں، جنگ کے لیے نہیں، جس پر وہ واپس چلا گیا۔

(ز) خراش قاصد نبوی کے ساتھ بدسلوکی:

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو خزاعہ سے تعلق رکھنے والے خراش الخزاعی کو صلح کی

بات چیت کرنے کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا، مگر کفار نے ان کی اونٹنی کو مار ڈالا اور وہ بمشکل واپس آسکے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بھیجا، تاکہ وہ اس سلسلۂ گفت وشنید کو آگے بڑھا سکیں، مگر انہیں مکہ مکرمہ میں روک لیا گیا اور اُدھر یہ افواہ مشہور ہوگئی، کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے موت پر بیعت لی، جسے ''بیعت رضوان'' کہا گیا جب قریش مکہ کو اس کی اطلاع ملی، تو انہوں نے سہیل بن عمرو کو جن کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا، صلح کی بات چیت کے لیے بھیجا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا، تو فرمایا انہوں نے اس شخص کو بھیج کر صلح کا ارادہ کیا ہے چنانچہ طویل گفت وشنید کے بعد، معاہدہ لکھا جانے لگا تو اس دوران بھی گفت وشنید اور مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم: (حضرت علی سے)، اے علی، لکھو بسم اللہ الرحمان الرحیم

سہیل بن عمرو: مجھے اس کا پتہ نہیں ہے، لہٰذا آپ ''باسمك اللهم'' ہی لکھئے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم: (اے علی) لکھئے باسمك اللهم (پھر فرمایا)

لکھو یہ وہ معاہدہ ہے کہ جس پر محمد اللہ کے رسول نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی ہے۔

سہیل بن عمر: اگر میں اس بات کی گواہی دیتا، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو آپ سے کبھی جنگ نہ کرتا، لیکن اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیے۔

چنانچہ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کا معاہدہ لکھوایا، جس کی دس دفعات تھیں پھر ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا، کہ اس کا بیٹا ابو جندل زنجیروں میں جکڑا ہوا کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ گیا مسلمانوں نے اسے روکنا چاہا، مگر سہیل نے کہا: اے محمدؐ اگر یہ آپ کے پاس آگیا تو معاہدہ ختم ہو جائیگا جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو اس کے حوالے کر دیا (۳۷)۔

اس موقع پر مسلمانوں اور کفار مکہ کے مابین جو مذاکرات اور مکالمات ہوئے وہ دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ایک نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لیے کتنے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اور دشمنوں کی طرف سے ایک ایک زیادتی کو برداشت کیا، اور انہیں گفت وشنید پر آمادہ کرنے کے لیے کس قدر محنت کی، مگر اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے لیے گفتگو اور مکالمے کا سلسلہ

موقوف نہیں فرمایا (۳۸)۔قرآن کریم میں اس مکالمے اور صلح نامہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے (۳۹)۔

۲۔غزوۂ خیبر اور یہودیوں سے گفت وشنید اور جنگ:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد چونکہ دنیا میں امن وامان کا قیام تھا اور یہ مقصد محض حرب و قتال سے حاصل ہونا ممکن نہ تھا، اسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران جنگ اور فتح کے بعد بھی مفتوحین اور مخالفین سے گفت وشنید اور مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، جس کی عملی مثال غزوۂ صلح خیبر کے موقع پر سامنے آئی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مفتوحین سے مذاکرات کیے، بلکہ اس کے نتیجے میں ان سے تحریری معاہدہ بھی کیا۔

(۲/الف) اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جب مرحب نامی یہودی سردار کے ساتھ مقابلے کے لیے بھیجا، تو فرمایا:

تم اس وقت تک ان سے نہیں لڑو گے، جب تک تم ان کے صحن میں نہ جا اترو، پھر تم انہیں اسلام کی دعوت دینا، اور انہیں بتلانا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کون سا حق واجب ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تمہارے ذریعے کوئی ایک شخص بھی ہدایت پا گیا تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ افضل ہے (۴۰)۔

(۲/ب) عمومی معاہدہ:

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اہل خیبر'' کا محاصرہ جاری رکھا، یہاں تک کہ انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا، اس پر انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ آپ انہیں جلاوطن کر دیں، مگر ان کی جان بخشی کر دی جائے پھر انہوں نے کہا کہ ان کی اراضی اس شرط پر، ان کے پاس رہنے دی جائے، کہ وہ اس کی نصف پیداوار آپ کو دیں گے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اس پر معاہدہ کر لیا، کہ جب مسلمان چاہیں گے، انہیں یہاں سے جلاوطن کر دیں گے (۴۱)۔

اس طرح اس دور میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے مابین اور اسی طرح مسلمانوں اور یہودان خیبر کے مابین گفت وشنید کے اور مذاکرات کے دو واقعات پیش آئے، جن کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل مقاصد حاصل کیے:

ا۔ دشمنوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا، تا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں۔

۲۔ اس سے فتح مکہ کی راہ ہموار ہوئی۔

۳۔ اشاعت اسلام کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دنیا بھر کے حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھنا ممکن ہو سکا۔

(۲/ب) فتح مکہ سے وصال نبوی تک:

فتح مکہ کے ذریعے جب اسلام کی اشاعت میں موجود سب سے بڑی رکاوٹ دور ہوگئی اور لوگ فوج در فوج اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو آئندہ سال یعنی ۹ ھ کا سال عام الوفود کہلاتا ہے اس سال پورے عرب سے قبائلی وفود مدینہ منورہ آے اور انہوں نے برضا ورغبت اسلام قبول کیا اور آپ سے پروانہ امان حاصل کیا۔

اس سال یوں تو بیسیوں وفود نے مدینہ طیبہ کی سرزمین پر اپنے قدم رکھے، مگر مذاکرات او رمکالمات کی تاریخ میں درج داخل ذیل قبائل کے ساتھ ہونے والے مذاکرات/ مکالمات بڑی اہمیت رکھتے ہیں:

ا۔ بنو ہوازن سے مذاکرات:

بنو ہوازن طائف کے علاقے میں آباد عرب کا ایک طاقت ور قبیلہ تھا فتح مکہ کے بعد، انہوں نے حنین کے مقام پر اپنے لشکر جمع کر لیے اور مسلمانوں پر حملے کا ارادہ کر لیا، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار لشکر کے ہمراہ ان کا مقابلہ کیا، ابتدائی حملے میں، مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، مگر جب مسلمانوں نے دوبارہ جم کر ان پر حملہ کیا، تو وہ بھاگ نکلے اور ہزاروں کی تعداد میں اپنے مال مویشی اور چھ ہزار کی تعداد میں اپنے بال بچے چھوڑ گئے، جو مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے، آپ نے کچھ روز تو ان کا انتظار کیا، مگر جب وہ آپ کی خدمت میں نہ آئے، تو آپ نے تمام مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا (۴۲)۔

پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ پہنچے تو بنو ہوازن کا وفد یہاں آپ کی خدمت میں آیا آپ نے پوچھا کہ تمہیں اپنے بال بچے زیادہ عزیز ہیں یا مال مویشی، انہوں نے کہا کہ ہمارے بال بچے، چنانچہ آپ نے بنو ہوازن کے تمام قیدی رہا کرنے کا حکم دیا، الغرض ان مذاکرات کے نتیجے میں بنو

ہوازن کے بیوی بچے انہیں واپس مل گئے (۴۳)۔

۲۔ اہل نجران سے مذاکرات:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کی طرف خط لکھا، جس میں آپ نے انہیں اسلام لانے یا جزیہ ادا کرنے کی دعوت دی یہ خط نجران کے لاٹ پادری (اسقف نجران) کے نام تھا، اس نے آپ کا یہ نامہ گرامی سرداران نجران کو دکھایا تو فیصلہ ہوا، کہ ایک اعلیٰ سطحی وفد مدینہ منورہ بھیجا جائے جو علاقے کے کاہن اور قبیلے کے سرداروں پر مشتمل ہو، چنانچہ جب یہ وفد مدینہ منورہ میں آیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی بذات خود مہمانداری کی۔

اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل نجران کے نمائندہ وفد کے مابین مذاکرات کے کئی دور ہوے جو موقع کی مناسبت سے سورۂ آل عمران کی ابتدائی ۸۰ آیات کا نزول بھی ہوا جس کے آخر میں انہیں "ملاعنۃ" یا "مباہلہ" کی دعوت دی گئی جسے سن کر انہوں نے جزیہ دینے پر رضامندی اختیار کر لی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، کہ ہمارے پاس کسی امانت دار شخص کو بھیج دیجئے، جس پر آپ نے حضرت ابوعبیدہ کو بھجوادیا (۴۴)۔

۳۔ دیگر قبائلی وفود سے مذاکرات:

اس سال (۹ھ میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی وفود آئے، جن کی تعداد بیسیوں میں ہے، ہر وفد کے ساتھ، آپ نے مکالمہ فرمایا یہ مکالمات بڑی اہمیت کے حامل تھے یہ مذاکرات بڑے خوشگوار ماحول میں منعقد ہوے اور اسی انداز میں انعقاد پذیر ہوئے، جس انداز میں دوسرے فریق نے منعقد کرنا چاہا، مثال کے طور پر بنوتمیم نے اصل مذاکرات سے قبل ادبی مقابلہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوے اپنے شاعر اور اپنے خطیب لا کر سامنے کھڑے کر دیا (۴۵)، جس کے نتیجے میں جزیرۂ عرب اسلام کے زیر نگین آیا، اسلام کی اشاعت ہوئی اور ملک میں امن وامان کا قیام عمل میں آیا۔

ان میں سے بعض وفود نے بڑی درشتگی اور بڑی سختی کے ساتھ گفتگو کی اور ماحول کو بگاڑنے کی کوشش کی، مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی اور تحمل کا مظاہرہ کیا، اس حوالے سے خصوصیت کے ساتھ عامر بن الطفیل اور بنو حنیفہ کے وفد میں شامل مسیلمہ کذاب کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جنہوں نے حد

سے زیادہ اکھڑ پن اور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا (۴۶) لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ تر مقاصد کے لیے ان سے نرمی اور تحمل کا مظاہرہ فرمایا۔ اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے، کہ

(الف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے داخلی امن وامان اور بیرونی تحفظ کے لیے متعدد قبائل سے مذاکرات/ مکالمات فرمائے۔

(ب) مذاکرات ''کچھ لو اور کچھ دو'' کے طریقۂ کار کے مطابق وقوع پذیر ہوئے۔

(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ سرزمین عرب میں بڑی وسعت اور کثرت کے ساتھ، مذاکرات/ مکالمات کا استعمال کیا۔

(د) آپؐ نے مذاکرات کے لیے اپنا ایسا اسوۂ حسنہ چھوڑا، جس سے بعد کے ادوار خصوصاً عہد خلافت راشدہ میں بکثرت استفادہ کیا گیا۔

(۲) عہد خلافت راشدہ

خلافت راشدہ کی ابتدا حضرت ابوبکرؓ کے بطور خلیفہ/ نائب رسول کی تقرری (۱۳ ربیع الاول، ۱۱ھ) سے ہوئی اور اختتام حضرت علی کی شہادت ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ پر یا بعض علما کے بقول حضرت حسن بن علی کے خلع خلافت (۴۱ھ/ ۶۶۵ء) سے پر ہوا اس طرح خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا مکمل دور تیس سال یا تیس سال اور چھ ماہ تصور ہوتا ہے۔

خلافت راشدہ کے دور میں اسلامی حکومت سرزمین عرب سے نکل کر ایک طرف افریقہ کے وسط تک، دوسری طرف جنوبی ایشیا میں چین کی سرحدوں تک، اسی طرح بلوچستان کے ساحلی علاقوں تک جا پہنچی رقبہ کے بڑھنے سے یقیناً انتظامی مسائل اور مشکلات میں بھی بے حد اضافہ ہوا، جن کے حل کے لیے خلفاے راشدین نے مذاکرے اور مکالمے ہی کا طریقہ اپنایا۔

مکالمے اور مذاکرے کو کامیاب بنانے کے لیے جس اعلیٰ ظرفی، تحمل، بردباری اور تدبر و فراست کی ضرورت ہوتی ہے، وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور فیض صحبت کی بنا پر ان خلفاے راشدین میں پوری طرح موجود تھی، اس لیے خلفاے راشدین کے زمانے میں بھی اندرونی اور بیرونی مشکلات ومسائل کو حل کرنے کے لیے مکالمے اور مذاکرات کے طریقے سے بکثرت استفادہ کیا گیا اس دور کے چند اہم مذاکرات/ مکالمات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف) اندرونی مسائل:

اس ضمن میں درج ذیل مکالمات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(الف) سقیفۂ بنی ساعدہ کا مذاکرہ/ مکالمہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر دانستہ طور پر اپنے کسی جانشین کا اعلان نہیں کیا اسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلا مسئلہ خلافت اور جانشینی ہی کا پیش آیا اس موقع پر متوقع امیدوار تین تھے:

۱۔ مہاجرین جن کی قیادت حضرت ابوبکر کر رہے تھے۔

۲۔ انصار مدینہ جو رئیس الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ کی قیادت میں خلافت کے دعویدار تھے۔

۳۔ اہل بیت نبوی جن کی قیادت حضرت علیؓ کے پاس تھی۔

مہاجرین ابھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن و دفن میں مصروف تھے، کہ انہیں سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کے مشورے کے لیے جمع ہونے کی اطلاع ملی، جس پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ ان کے ساتھ مذاکرات کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ تشریف لے گئے، جب یہ لوگ جا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے انہیں وہاں جانے سے منع کیا مگر یہ حضرات وہاں گئے اور طویل گفتگو اور مکالمے کے بعد تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اتفاق کر لیا(۴۷)۔ داخلی اتفاق پیدا کرنے کے لیے مذاکرات بڑی کلیدی اہمیت رکھتے ہیں، بعد ازاں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے بھی مذاکرات کیے، جن کے نتیجے میں حضرت علیؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔

(ب) فتنۂ ارتداد کے موقع پر مختلف قبائل سے مکالمہ:

حضرت ابوبکرؓ نے جب ارتداد کے خلاف جنگ شروع کرنا چاہی، تو اس موقع پر حضرت عمر فاروق سمیت بہت سے صحابہ کرام کو مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ میں تأمل تھا، اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر فاروقؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کے مابین جو ''مکالمہ'' ہوا وہ حدیث کی معتبر کتابوں میں محفوظ ہے، جس کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کی مدلل علمی گفتگو سن کر حضرت عمرؓ فاروق اور دوسرے صحابہ کرام

کے دلوں میں جو تردد تھا، وہ مکمل طور پر دور ہو گیا اور تمام صحابہ کرامؓ نے دونوں طرح کے مخالفین اسلام سے لڑنے اور جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا (۴۸)۔

(ج) دوسری اقوام سے مکالمہ/ مذاکرات

ا۔ مرتدین سے مکالمہ/ مذاکرہ:

حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف داخلی مسائل کا حل مذاکرات کی مدد سے تلاش کیا، بلکہ بیرونی مسائل اور مشکلات کو بھی، اس اہم طریقے سے حل فرمایا چنانچہ مذاکرات کے ذریعے متعدد قبائل کو ارتداد سے روکا گیا چند قبائل کے نام درج ذیل ہیں۔

ا۔ اہل مکہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی شدید مخالفت اہل مکہ نے کی اتنی شدید مزاحمت کسی اور قبیلے یا قوم نے نہیں کی اور ابھی صرف دو سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا اسی لیے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو جہاں ارتداد کی لہر نے دوسرے خطوں کو متاثر کیا وہاں اہل مکہ بھی اس سے متاثر ہوئے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہاں کے مقرر کردہ امیر حضرت عتاب بن اسید اس خوف سے روپوش ہو گئے۔

اس پر نامور صحابی حضرت سہیل بن عمروؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں ارتداد کے متوقع نتائج و عواقب سے آگاہ کیا جس کے نتیجے میں جن لوگوں نے ارتداد کا ارادہ کیا تھا وہ باز آگئے اور مکہ مکرمہ اس ''عمومی ابتلاء سے محفوظ رہا (۴۹)۔

(د) مرتدین کے نام عمومی خط:

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف مرتد قبائل کی سرکوبی کے لیے امراء کا تقرر فرمایا، بلکہ انہوں نے مرتدین کے نام ایک عمومی خط بھی ارسال کیا جس میں انہیں اسلام میں واپس آنے اور ارتداد چھوڑنے کی مدلل اور حکیمانہ انداز میں دعوت دی گئی تھی۔

یہ خط ایک طرح سے مرتدوں کے ساتھ مذاکرے اور مکالمے کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں جو نکات اٹھائے گئے ہیں وہ ان مرتد قبائل کے ساتھ گفتگو اور بات چیت میں بھی عموماً مفید ثابت ہوئے ہوں گے (۵۰)۔

(ہ) متعدد قبائل/ اقوام کے ساتھ معاہدات کی تجدید:

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے کئی ایسے قبائل اور اہل علاقہ کے ساتھ معاہدات کی تجدید کی، جن کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں معاہدات ہوے تھے یقیناً تجدید معاہدات کے موقع پر، ان قبائل کے ساتھ مذاکرات بھی ہوے ہوں گے۔

اس فہرست میں سے اہل نجران کا بطور مثال ذکر کیا جاسکتا ہے(۵۱)۔

(و) دور فاروقی میں فتح بیت المقدس:

اسی طرح جب صحابہ کرام نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، تو وہاں موجود پادریوں اور حکام نے یہ شرط رکھی، کہ جب تک خلیفہ المسلمین یہاں نہیں آئیں گے وہ صلح کی بات چیت نہیں کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رئیس لشکر اسلامی کی درخواست پر حضرت عمر فاروق بہ نفس نفیس بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہاں کے عیسائی حکمرانوں سے گفت وشنید کی۔ اس مکالمے کی تفصیلات تو کتب تاریخ میں دستیاب نہیں ہیں، تاہم مؤرخین نے یہ تذکرہ کیا ہے کہ خلیفۃ المسلمین کو دیکھ کر وہاں کے لوگوں نے غیر مشروط طور پر ہتھیار پھینک دیئے، البتہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان پر یہ شرط رکھی، کہ وہاں جو رومی سپاہی وغیرہ موجود ہیں، وہ تین دن کے اندر بیت المقدس سے چلے جائیں گے(۵۲)۔

یہاں قیام اور واپسی کے سفر کے دوران بھی متعدد قبائل اور ریاستوں کے ساتھ مذاکرات ہوے اور حضرت عمر فاروق نے ان سب کے لیے معاہدات تحریر کردیئے(۵۳)۔

(ز) اسی طرح دوسرے خلفا خصوصاً حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بھی دوسری اقوام او رملتوں کے ساتھ گفت وشنید اور مکالمے کا سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجے میں دنیا کشت وخون سے محفوظ رہی اور امن وامان کا قیام عمل میں آیا۔ تاہم بلوائی چونکہ بدنیتی سے آئے تھے اور ایک مقصد (حضرت عثمانؓ کی شہادت) لیکر آئے تھے، اسی لیے یہ مذاکرات کامیاب نہیں ہوئے۔

(ح) باہمی مناقشات اور جھگڑوں میں مکالمے کا کردار

خلافت راشدہ کے متأخر زمانے میں جو داخلی مناقشات پیدا ہوے ان کے دوران بھی اگرچہ مکالمے اور مذاکرے کا عمل جاری رہا تاہم، چونکہ اس وقت مذاکرات کی میز پر جو لوگ موجود تھے، ان کے مقاصد اور اہداف مختلف تھے، اسی لیے یہ مذاکرات کامیابی سے ہم کنار نہ ہوسکے۔

اس ضمن میں حضرت عثمانؓ کی شہادت (۱۸-ذوالحجہ ۳۵ھ) اور جنگ جمل (۴۴) (جمادی الآخرہ ۳۵ھ) اور جنگ صفین (رجب، شعبان ۳۶ھ) (۵۵) کے مواقع کا ذکر کیا جاسکتا ہے، کہ ان اہم ترین مواقع پر دونوں فریقوں کے مابین مکالمہ اور مذاکرہ اس بنا پر نا کام ہوا اور اس کا خمیازہ امت کو بھگتنا پڑا، کیوں کہ متحارب فریقوں میں سے کوئی ایک فریق یا ان کے پیچھے کھڑے ہوئے لوگ اس بارے میں مخلص نہ تھے ورنہ امت آج ان تاریخی ''حوادث'' سے محفوظ رہتی، جن کی وجہ سے نہ صرف اس دور کی تاریخ متاثر ہوئی، بلکہ آئندہ کی اسلامی تاریخ پر بھی اس نے بے حد منفی اثر ڈالا۔

اس حوالے سے، چند استثناءات بھی ہیں، کہ جب مذاکرات/ مکالمات نے تاریخ کا رخ بدل دیا اس حوالے سے دو واقعات کا بطور مثال ذکر کیا جاسکتا ہے۔

ا۔حضرت عبداللہ بن عباس کے خوارج سے مذاکرات:

جب خوارج نے حضرت علیؓ اور مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کیا، لوگوں کو قتل کرنا اور ان کی املاک کو نقصان پہنچانا شروع کیا تو اس پر حضرت علیؓ نے ان کے خلاف جنگ کرنے کا پروگرام بنایا، اس موقع پر حضرت علیؓ سے اجازت لیکر حضرت عبداللہ بن عباس ان سے گفتگو اور مذاکرات کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور خوارج کے مابین کئی گھنٹوں تک مذاکرات ہوے اور حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کے ہر سوال کا جواب مدلل انداز سے دیا، جس کے نتیجے میں کئی ہزار لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے ایک روایت کے مطابق چار ہزار میں سے، صرف ایک ہزار رہ گئے اور تین ہزار لوگ واپس چلے آئے (۵۶)۔

اس طرح عین حالت جنگ میں مذاکرات اور مکالمات کی بنا پر بہت سے لوگ اس فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے۔

۲۔حضرت حسین بن علی اور امیر معاویہ کے مابین مذاکرات/ مکالمات:

اسی طرح حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن بن علیؓ ان کے جانشین بنے اور اہل کوفہ اور بصرہ میں سے چالیس ہزار یا بیالیس ہزار افراد نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور دوسری طرف امیر معاویہ پوری تیاری کے ساتھ لڑنے کے لیے عراق آگئے، تو اس موقع پر دونوں کے مابین

کامیاب مذاکرات کے نتیجے میں امت کشت و خون سے بچ گئی، اور حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری قبول کرلی (۵۷)۔

اس طرح ان مکالمات نے اپنا اثر دکھایا اور اسلامی دنیا میں بڑے عرصے کے بعد داخلی ''امن و امان'' کا قیام عمل میں آیا۔

اس ساری بحث سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ مکالمے اور مذاکرات کی روایت اگرچہ اسلام سے قبل موجود تھی، مگر اسلام نے اس روایت کو مستحکم کیا۔

۲۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانے میں مکالمے/ مذاکرے کی روایت ارتقاء پذیر رہی۔

۳۔ عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں کامیاب مذاکرات/ مکالمات کے نتیجے میں، تمام داخلی اور خارجی مسائل کا حل تلاش کیا گیا۔

۴۔ اسلام نے مکالمے کے لیے بنیادی اصول و قواعد کا تعین کیا اور کامیاب مذاکرات کے اصول و مبادی بیان کیے۔

۵۔ اسلامی دنیا میں جب سے مکالمے/ مذاکرے کا سلسلہ کمزور پڑا ہے، اس وقت سے مسائل اور مشکلات بڑھ گئی ہیں۔

۶۔ عصر حاضر میں عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں ہونے والے مکالمات/ مذاکرات سے استفادہ کرتے ہوئے پوری دنیا میں عموماً اور اسلامی دنیا میں خصوصاً امن و امان قائم کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ مکالمے (Dialogue) کے لفظی مفہوم کے لیے دیکھیے، Encyclopaedia Americana بذیل مادہ Dialogue؛ اردو کتاب لغت، مطبوعہ کراچی۔ 2005، بذیل مکالمہ۔

۲۔ دیکھیے: Walter Kaufmann، مقالہ Dialogue در Encyclopaedia

Americana، ۷/۵۶، مطبوعہ نیویارک، ۱۹۹۲ء۔

۳۔ دیکھیے: Roberts Brumbangh، مقالہ Plato در Ency. Americana، ۲۲/۲۲۶۔۲۲۷۔

۴۔ قرآن کریم، المائدہ/ ۲۷۔۲۹ جہاں یہ ذکر ہوا ہے کہ مسئلے کے حل کے لیے ھابیل اور قابیل کے مابین گفتگو ہوئی، جس میں ھابیل نے نرمی اختیار کی، مگر قابیل نے اپنا غصہ دکھایا۔

۵۔ ابن ہشام السیر ۃ، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۲۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۳۸-۱۳۹؛ نیز دیکھیے ابن حجر العسقلانی، الاصابہ، ۲/۵۱۸ھ، عدد ۵۷۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۲۸ھ۔

۷۔ قرآن کریم میں مناظرے کو "مجادلہ" قرار دیکر اس سے منع کیا گیا ہے (دیکھیے العنکبوت/ ۴۶)۔

۸۔ العنکبوت/ ۴۶

۹۔ محمد کرد علی، تاریخ العرب قبل الاسلام، مطبوعہ بیروت بامداد فہرست ۔

۱۰۔ دیکھیے آل عمران، آیت/ ۶۴؛ نیز میثاق مدینہ اور اس کے شرکاء؛ در ڈاکٹر محمد حمیداللہ، الوثائق السیاسیہ، مطبوعہ قاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمہ، ۱۹۶۱، وثیقہ نمبر ۱، ص ۱۷۔

۱۱۔ جیسا کہ قرآن کریم کی آیت: فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلون (پھر اگر وہ منہ پھیرلیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرماں بردار ہیں) سے واضح ہوتا ہے (آل عمران/ ۶۴)

۱۲۔ آل عمران، ۳/ ۶۴۔

۱۳۔ النحل، ۱۶/ ۱۲۵؛ وجادلھم بالتی ھی احسن: اور ان سے اس طریقے سے مجادلہ کیجئے جو کہ عمدہ ہو؛ نیز دیکھیے، الانفال، ۸/ ۴۲۔

۱۴۔ آل عمران، ۳/ ۱-۸۰۔

۱۵۔ الاعراف، ۷/ ۱۵۷۔

۱۶۔ ابن ہشام، السیر ۃ، مطبوعہ بیروت، لبنان، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء، ۱/ ۱۴۲-۱۴۳۔

۱۷۔ ابو جعفر الطبری، تفسیر الطبری مطبوعۂ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، ۹/ ۴۸۴-۴۸۶۔

۱۸۔ احمد زکی صفوت، جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاہرہ، قاہرہ ۱۳۵۲، ۱/ ۵؛ الطبری، تفسیر

الطبری، ۹/ ۴۸۳۔۴۸۵۔

۱۹۔ ابن ہشام، السیرۃ ۱/ ۲۹۴۔

۲۰۔ ابن ہشام، ۱/ ۲۱۶۔۲۹۷

۲۱۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ مطبعہ عیسیٰ البابی و شرکاء ہ، القاہرہ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء، ۲/ ۱۴۹۔۱۵۰، بعدازاں ان سرداروں نے لڑکوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگادیا، جس کی تفصیل کتب سیرۃ میں بخوبی ملتی ہے۔

۲۲۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲/ ۱۵۵۔

۲۳۔ ایضاً، ۲/ ۱۷۰، ۱۷۱۔

۲۴۔ دیکھئے، بنو عامر بن صعصعہ: ابن کثیر، ۲/ ۱۶۱؛ بنو ربیعہ، ایضاً، ۲/ ۱۶۳۔۱۶۵۔

۲۵۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲/ ۱۷۵، ابن کثیر کے مطابق لوگ اس کے اسلام کی حالت میں فوت ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں کرتے تھے، اس لحاظ سے سرزمین یثرب میں یہ پہلا صحابی تھا رضی اللہ عنہ

۲۶۔ ابن ہشام السیرۃ، ۲/ ۴۲۔

۲۷۔ بیعۃ النساء سے مراد وہ بیعت ہے، جس کا ذکر سورۃ الممتحنہ (میں خواتین سے بیعت لینے کے ضمن میں) آتا ہے (الممتحنہ، آیت ۱۶)

۲۸۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۲/ ۱۹۴-۱۹۵۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ دیکھیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ، معاہدہ ۱، ص ۱۹؛ ابن کثیر، السیرۃ، ۲/ ۳۱۹-۳۲۱۔

۳۱۔ ابن کثیر، السیرۃ، ۲/ ۱۹۸۔

۳۲۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ دار صادر، بیروت بدون تاریخ، ۲/ ۸، مطبوعہ بیروت۔ روایات کے مطابق یہ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا۔

۳۳۔ ابن کثیر، ۲/ ۳۶۲۔

۳۴۔ ابن ہشام، السیرۃ، ۳/ ۳۰۹، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، بعنوان ''تجنب الرسول لقاء قریش''۔

۳۵۔ ایضاً، ۳/ ۳۱۰۔

۳۶۔ ابن سعد، طبقات، ۲/ ۹۵-۹۶، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔

۳۷۔ ابن ہشام، ۳/ ۳۱۲۔

۳۸۔ ابن سعد، طبقات، ۲/ ۹۶۔

۳۹۔ القرآن الکریم، الفتح، ۴۸/ ۱۔

۴۰۔ الترمذی، مطبوعہ قاہرہ، ۵۰ کتاب المناقب، ب (۲) حدثنا سفیان بن وکیع۔

۴۱۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۳/ ۳۲۰-۳۲۱

۴۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۳/ ۴۸۸، مطبوعہ بیروت۔

۴۳۔ ابن ہشام، ۲/ ۲۸۷۔

۴۴۔ ابن کثیر، ۳/ ۶۶۷-۶۶۸۔

۴۵۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ۴/ ۱۱۰-۱۱۳۔

۴۶۔ دیکھیے ابن ہشام، ۴/ ۴۸۴-۵۰۶۔

۴۷۔ ابن ہشام، السیرۃ، ۴/ ۵۵۱-۵۵۲۔

۴۸۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۵/ ۳۱۱ ''فی تصدی الصدیق''۔

۴۹۔ البدایہ، ۴/ ۶۶۶۔

۵۰۔ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ ۲۸۲، صفحہ ۲۰۶-۲۱۰۔

۵۱۔ الطبری، تاریخ الطبری، ص ۱۹۴۷-۱۹۴۸؛ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ ۹۸، ص ۹۶-۹۷۔

۵۲۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۷/ ۵۵-۵۶۔

۵۳۔ ایضاً، دیکھیے بیت المقدس کے ایک لشکر کے ساتھ معاہدہ (ص ۵۶ ب)، اہل تّ کے لیے (ص ۵۷)، اہل ایلیا (ص ۵۷)، اہل الرملہ (ص ۵۷)

۵۴۔ ایضاً، ۷/ ۲۳۰-۲۳۶۔

۵۵۔ ایضاً، ۷/ ۲۵۳۔

۵۶۔ البدایہ، ۷/ ۲۸۹۔

۵۷۔ ایضاً، ۸/ ۴۱۔

قرون اولیٰ کی خواتین اور ان کی علمی و دینی خدمات

مختلف تہذیبوں میں خواتین کا مقام و مرتبہ

مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر مولانا قاری بدرالدین

ناشر: مکتبہ حکیم الامت کمرشل ایریا ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

مطبوعہ: ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء قیمت درج نہیں ۴۴۱ صفحات

اصول الحوار و آدابه

في ضوء القرآن والسيرة النبوية صلى الله عليه وسلم

الأستاذ الدكتور صلاح الدين ثاني

(عربی)

﴿زیر طبع﴾